برصغیر کی دینی تحریکات میں سید عطاءاللہ شاہ بخاری کا کردار (تجزیاتی مطالعہ)

Role of Syed Atta Ullah Shah Bukhari in the Religious Movements of Sub-Continent (Analytical Study)

Hafiz Sajid Yaqoob
Ph.D scholar, Department of Islamic studies, BZU Multan
Email: hsybzu55@gmail.com

Dr. Muhammad Amjad
Assosiate Professor, Department of Islamic studies, BZU Multan
Email: amjad_mailsi@yahoo.com

ISSN (P):2708-6577
ISSN (E):2709-6157

Abstract
Sayyed Atta Ullah Shah Bukhari had a remarkable past.He was born in the period of India,s history which the Muslims were going to be unaware of the role meaning of freedom.He played his religious role shoulder to shoulder with the other freedom fighters.He accordance with the political demands of that age.He explained real meaning of freedom by creating awareness and inciting hatred against the Brittish like the traditional scholars of the age,he did not regard it his sole responsibility to discharge conventional religious duties regarding mosque and rituals, rather he stepped forward and played his role as leader of national movements of freedom. This paper attempts to enlighten many aspects of his contribution towards religious and freedom movements of the Sub-Continent.

Keywords: *Sub-Continent, Islamic Movements, Freedom Fighter.*

سید عطاءاللہ شاہ بخاریؒ یکم ربیع الاول ۱۳۱۰ھ بمطابق ۲۳ ستمبر ۱۸۹۲ ءبروز جمعہ پٹنہ عظیم آباد میں پیدا ہوئے۔
مرزا غلام نبی جانباز نے شاہ جی کا سن پیدائش ۱۸۹۹ءتحریر کیا ہے۔[1] جو بالکل درست نہیں۔البتہ سیاق وسباق سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ غالباً کاتب کی غلطی ہے۔نذیر مجیدی کی تحقیق کے مطابق سید عطاءاللہ شاہ بخاریؒ یکم ربیع الاول ۱۳۱۰ھ بمطاق ۱۸۹۱ءکو جمعہ کے دن نور کے تڑکے پٹنہ میں پیدا ہوئے۔[2] خود فرزند امیر شریعت مولانا سید ابو ذر بخاریؒ نے بھی ۱۸۹۱ءہی لکھا ہے۔[3] آغا شورش کا شمیری نے بھی شاہ جی کی تاریخ ولادت یکم ربیع الاول ۱۳۱۰ھ بمطاق ۱۸۹۱ء تحریر کی ہے۔[4] زاہد منیر عامر رقمطراز ہیں کہ شاہ جی ۲۳ ستمبر ۱۸۹۲ء کو سید ضیاءالدین احمد کے ہاں پٹنہ میں پیدا ہوئے۔[5] تاریخ ولادت کے متعلق صحیح اور درست رائے خان غازی کابلی کی ہے، جس کے مطابق شاہ جی کا سن پیدائش ۱۸۹۱ء نہیں ۱۸۹۲ء ہے،ان کے بقول شاہ جی یکم ربیع الاول ۱۳۱۰ھ کو پیدا ہوئے۔[6]مولانا اسماعیل شجاع آبادی نے اپنی کتاب میں ۱۸۹۲ء میں لکھا ہے لیکن

سن ہجری یکم ربیع الاول ۱۳۸۰ھ لکھ دی ہے جبکہ اصل تاریخ[1] یکم ربیع الاول ۱۳۱۰ھ ہے[7]. محمد رفیق اختر کی بھی یہی رائے ہے۔[8]

اس روز جمعہ کا مبارک دن، ستمبر کی ۲۳ اور سن عیسوی ۱۸۹۲ء تھا۔[9] مولانا مجاہد الحسینی، شاہ جیؒ کی ابتدائی زندگی کے بارے میں لکھتے ہیں:" شاہ جی ابھی چار برس ہی کے تھے کہ والدہ محترمہ کا انتقال ہوگیا۔آپ کی عمر جس وقت دو برس ہوئی تو آپ کے والد ماجد حضرت پیر سید ضیاءالدین بخاریؒ نے پٹنہ (بہار) کو خیر باد کہہ کر موضع ناگڑیاں ضلع گجرات (پاکستان) میں سکونت اختیار کر لی۔حضرت امیر شریعتؒ کے والد محترم نے غالباً ۱۹۴۹ء میں قیام پاکستان کے بعد اسی قصبے میں وفات پائی"۔[10]

ننھیال کی طرف سے آپ کا نام "شرف الدین احمد" تھا اور ددھیال کی طرف سے آپ کا نام "عطاءاللہ شاہ بخاری" رکھا گیا۔آپ کے والد کا نام "ضیاءالدین احمد" تھا اور دادا کا نام "نور الدین احمد"۔آپ کے پر دادا کا نام "سید محمد شاہ" تھا۔سید محمد شاہ کے پانچ بیٹے تھے۔جن میں سے تین کے اولاد ہوئی۔[11]

شاہ جی کسی بھی روایتی مدرسہ کے فارغ التحصیل نہ تھے۔[2] وہ ان لوگوں میں سے تھے جن کی تربیت خود مبداءفیاض کرتا ہے۔شاہ جی کے گھر کا ماحول بڑا علمی قسم کا تھا۔چنانچہ ابتدائی تعلیم اپنے والد بزرگوار سیّد ضیاءالدین بخاری اور اپنے نانا حکیم سیّد احمد شاہ اندرابی سے حاصل کی۔زبان وبیان بھی گھر ہی سے حاصل کئے۔بڑی بوڑھیوں سے روز مرہ کے محاورے سیکھے۔سید علی محمد شاہ جو آگے چل کر شاد عظیم آبادی کے نام سے معروف ہوئے،شاہ جی کے ماموں تھے۔ اپنے ماموں اور ان کے ہم نشینوں سے ادبی ذوق میں رونق پیدا ہوگئی۔اپنے ماموں سے رات گئے تک بیت بازی کیا کرتے تھے۔جس سے شاعری کا مذاق نکھرتا رہا۔شاہ جی نے اپنے گھریلو ماحول کی بدولت زبان وبیان میں جو مہارت حاصل کی اس کا تذکرہ شورش کاشمیری اس طرح کرتے ہیں کہ:

"شاہ جی فرماتے تھے کہ نانی مرحومہ سے اردو بول چال میں صحت پیدا کی۔شاد عظیم آبادی کی ادبی شہرت کا آغاز تھا وہ زبان و محاورہ کی سند و تحقیق کے لئے اکثر نانی اماں سے مشورہ کرتے اور مستفید ہوتے تھے۔ہم شاد عظیم آبادی کی صحبتوں میں رہ کر زبان وبیان میں اتار و ہوگئے اور ذہانت و ذکاوت کے فطری انعام نے طبیعت میں چار چاند لگا دیئے"۔[12]

شاہ جی کا خاندان ایک روحانی خاندان تھا جس میں روحانیت اور تزکیہ نفس کی روایت بہت قدیم تھی۔شاہ جی نے حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑہ شریف سے پہلی بیعت کی۔[13] ۱۱مئی ۱۹۳۷ءمیں پیر مہر علی شاہ صاحب کا وصال

---

[1]. شاہ جی کی تاریخ ولادت کے حوالے سے جو غلط اعداد و شمار لکھے گئے ہیں اس کا سبب غالبا یہ ہے کہ مصنفین نے اس حوالے سے تحقیق نہ کی بلکہ ایک دوسرے کی دیکھا دیکھی شاہ جی کی تاریخ ولادت ۱۸۹۱ ء لکھی۔نعیم آسی نے شاہ جی کے خطوط اور تحریروں کو مرتب کرتے وقت ہجری سن اور تاریخوں کو عیسوی سن کے مطابق کیاتو عقدہ کھلا کہ شاہ جی کا سن پیدائش ۱۸۹۲ ءہے۔(نعیم آسی، مکاتیب امیر شریعت، مسلم اکادمی، سیالکوٹ، ۱۹۸۱ء، ص۲۹)

[2]. بعض روایات سے پتہ چلتا ہے کہ آپ باقاعدہ مدرسہ میں پڑھتے رہے اور ہندوستان کے معروضی حالات نے آپ کو دینی حوالے سے اپنا کردار ادا کرنے پر مجبور کیا۔چنانچہ شیخ حسام الدین کے مطابق آپ مدرسہ نصرۃ الحق میں حضرت مفتی غلام مصطفی قاسمی اور مدرسہ نعمانیہ مسجد خیر الدین بازار میں موقوف علیہ تک پڑھ چکے تھے۔(ماہنامہ نقیب ختم نبوت (امیر شریعت نمبر) ج۳، شمارہ ۱۲، ص۹۳، دسمبر ۱۹۹۲ء)

ہوگیا اور آپ نے اپنا سلسلہ بیعت مولانا حبیب الرحمن لدھیانویؒ کے مشورے پر حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ سے قائم کرلیا اور ہمیشہ ان کی سرپرستی اور رہنمائی میں کام کیا۔ایک مرتبہ آپ کے فرزند سید ابوذر بخاریؒ نے آپ سے دریافت کیا کہ آپ نے حضرت مدنی سے بیعت کیوں نہ کی تو فرمایا:"بیٹا! حضرت مدنیؒ میں باپ کا جلال تھا اور حضرت رائے پوریؒ میں ماں کی شفقت"۔[14]

۱۹۲۹ء میں مجلس احرار قائم کی گئی۔ مجلس احرار کے اغراض ومقاصد پر روشنی ڈالتے ہوئے خان غازی کابلی لکھتے ہیں:"مجلس کے اغراض ومقاصد کا مختصر خاکہ حسب ذیل ہے:

(۱) پرامن ذرائع سے ہندوستان کے لیے مکمل آزادی حاصل کرنا۔

(۲) ہندوستان اور بیرون ہند کی اسلامی سیاست میں مسلمانانِ ہند کی صحیح رہنمائی کرنا۔

(۳) دیسی مصنوعات کی ترقی اور سودیشی اشیاءکی ترویج کے لیے کوشش کرنا۔

(۴) مزدوروں اور کسانوں کو اقتصادی اصولوں پر منظم کرنا۔

(۵) ہر جگہ جیش احرار اسلام قائم کرنا۔

(۶) اور تمام ہندوستان میں مسلمانوں کو منظم کرنے کے لیے مجلس احرار قائم کرنا"۔[15]

جماعت احرار کے قیام کے متعلق چودھری افضل حق مرحوم لکھتے ہیں:"مجلس احرار کا سب سے پہلا جلسہ ۲۹دسمبر ۱۹۲۹ء کو کانگریس کے سالانہ اجلاس کے موقع پر ہوا۔جس میں سیّد عطاءاللہ شاہ بخاریؒ نے میری صدارت میں تقریر کی اور کہا کہ" میں چاہتا ہوں کہ مسلمان نوجوان ہندوستان کی آزادی کا ہر اول ثابت ہوں اور آزادی کے حصول کا فخر ہمارے حصے میں آئے۔"[16]

سیّد عطاءاللہ شاہ بخاریؒ کو ۱۹۳۰ءمیں ان کی گرانقدر دینی خدمات کے صلہ میں مولانا انور شاہ کاشمیریؒ کی تحریک پر امیر شریعت کے خطاب سے نوازا گیا۔[17] اس بات کا تذکرہ کرتے ہوئے مولانا مجاہد الحسینی لکھتے ہیں:"امام العصر حضرت مولانا انور شاہ کاشمیریؒ کو حضرت شاہ صاحب سے بے پناہ محبت تھی۔۱۹۳۰ء میں انجمن خدام الدین کا جو تاریخی اجلاس لاہور میں ہوا تھا۔اس میں شیخ انورؒ شاہ کا اسم گرامی مولانا ظفر علی خاں نے امارت کے لئے پیش کیا تھا۔حضرت شیخؒ نے کھڑے ہوکر تقریر فرمائی اور کمزوری صحت کی بنا پر معذرت پیش کی اور سیّد عطاءاللہ شاہ بخاری کی امارت نہ صرف تجویز کی بلکہ امیر بنا کر فرمایا کہ میں بھی اس مقصد کے لئے ان کے ہاتھ پر بیعت کرتا ہوں۔آپ حضرات بھی ان کے ہاتھ پر بیعت کریں اور اپنے دونوں ہاتھ مبارک سیّد عطاءاللہ شاہ بخاریؒ کے ہاتھ میں دے دیئے"۔[18]

شاہ جی نے بھی اپنے دونوں ہاتھ حضرت انور شاہ کاشمیریؒ کے ہاتھوں میں دیکر فرمایا:آپ یہ نہ سمجھیں کہ حضرت نے میرے ہاتھ پر بیعت کی ہے بلکہ حضرت نے مجھے اپنی غلامی میں قبول فرما لیا ہے۔[19]

سیّد عطاءاللہ شاہ بخاریؒ اور فن خطابت دونوں لازم و ملزوم تھے۔اس فن میں انہیں جس قدر ملکہ حاصل تھا اس کا تذکرہ کرتے ہوئے مولانا یوسف بنوریؒ کے مطابق ہندوستان کی سر زمین میں ایک ہی عرصہ میں ایسے چار خطیب جمع ہوگئے تھے۔جنہیں بلاشبہ خطابت کے ائمہ اربعہ قرار دیا جاسکتا ہے۔پہلے خطیب مولانا ابوالکلام آزادؒ دوسرے مولانا احمد سعید دہلویؒ،

تیسرے خطیب مولانا حفظ الرحمن سیوہاروی اور چوتھے سیّد عطاءاللہ شاہ بخاریؒ تھے۔[20] لیکن ان چاروں خطباءمیں شاہ جیؒ کا امتیاز واضح کرتے ہوئے شورش کاشمیری کی رائے ہے کہ ان چاروں میں شاہ جی اور خطابت یار غار تھے۔ پچھلی چار دہائیوں میں اردو زبان نے اتنا بڑا خطیب پیدا نہیں کیا۔[21] محمد رفیق اختر کے مطابق شاہ جی کی تقاریر نے ہندوستان سے انگریز سامراج کی اندھیر نگری اور کفریہ نظام کے خلاف ہزاروں نوجوانوں میں آزادی کا شعور بیدار کیا۔[22]

اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایسے مضبوط و توانا اعضاءوقویٰ عطاءفرمائے تھے کہ چاہتے تو ایک طویل عرصہ تک صحت مند رہ سکتے تھے۔ لیکن آپ نے اپنے جسم سے اتنا زیادہ کام لیا کہ صرف ستر برس کی عمر میں صحت سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ شاہ صاحب نے جب۱۸۔ ۱۹۱۷ء میں اپنی خطابت کا آغاز امر تسر شہر سے کیا تو اس وقت آپ کی حیثیت محض ایک شیریں بیان و اعظ کی تھی۔ لیکن جلیانوالہ باغ کے حادثہ کے بعد حضرت مولانا داؤد غزنوی کی دعوت عمل پر سیاست میں داخل ہوئے۔ پھر وفات سے کچھ عرصہ قبل تک آپ کا سیاست سے بھر پور تعلق رہا۔ جس شخص نے اتنی بھر پور زندگی گزاری ہو، اس کا ستر سال کی عمر میں مر جانا کوئی تعجب کی بات نہیں بلکہ اس عمر تک زندہ رہنا ایک معجزہ ہے۔ ۲ جنوری ۱۹۶۱ء کو آپ پر دوسرا فالج کا حملہ ہوا۔ ڈاکٹروں اور حکماءکے تمام نسخے بیکار ہوگئے۔ اس طرح عقل انسانی جب اپنی رائے پر مات کھا چکی تو اب قدرت کے فیصلے کا انتظار باقی تھا۔ اب دوا کی بجائے دعا کی زیادہ ضرورت تھی۔ ماضی کی پچاس سالہ تاریخ کا معمار، افواج آزادیٔ وطن کا سپہ سالار، جس کی گھن گھرج میں شیروں کاسا وقار، گفتار میں بجلی کا ساکردار، چلن میں پہاڑوں کی بلندی، مقدروں میں سیاروں کا جلو، جذبات میں سمندروں کے طوفان، سلطنتوں کو خس وخاشاک کی طرح بہا لے جانے والا مرد آہن قلندر ۲۱ اگست ۱۹۶۱ء، ۶ بجکر ۵۵ منٹ پر سر زمین ملتان میں وفات پاگیا۔ اردو زبان کا سب سے بڑا خطیب جس نے ایک تہائی صدی تک سیاسی قبرستانوں اور شرعی بتکدوں میں اذانیں دی تھیں اپنے خالق حقیقی سے جاملا۔[23]

برصغیر کی دینی تحریکات میں کردار

سید عطاءاللہ شاہ بخاریؒ ایک روشن ماضی رکھتے تھے۔ وہ ہندوستان کی تاریخ کے اس دور میں پیدا ہوئے جب مسلمان قوم آزادی کے حقیقی مفہوم سے ناآشنا ہوتی جارہی تھی۔ انہوں نے اس دور میں دیگر آزادی پسند رہنماؤں کے شانہ بشانہ اپنا دینی کردار ادا کیا اور اس دور کے تقاضوں کے مطابق سیاسی حوالے سے کئی تحریکات میں حصہ لیا اور انگریز کے خلاف نفرت اور فہم وشعور کے ذریعے آزادی کا حقیقی مفہوم واضح کیا۔ انہوں نے مروجہ مذہبی رہنماؤں کی طرح مسجد ومحراب کی ذمہ داری ہی کو اپنا دینی فریضہ قرار نہیں دیا بلکہ ایک قدم آگے بڑھ کر ملکی وقومی سطح کی تحریکات آزادی کے رہنماؤں کا کردار بھی ادا کیا۔ آپؒ کی دینی خدمات کے بہت سے پہلو ہیں جن میں سے چند درج ذیل ہیں۔

(الف) تحریک آزادی

سید عطاءاللہ شاہ بخاری غلامی کے سخت خلاف تھے۔ اس لیے کہ غلامی میں دینی اقدار مسخ ہوجاتی ہیں اور مسلمان میں وہ جوہر باقی نہیں رہتا جو اس کا طرہ امتیاز ہے۔ جس دین کے ماننے والے نوع انسانی کو ہر نوع کی غلامی سے نجات دلا کر خدائے بزرگ وبرتر کی غلامی میں لانے کے پابند ہوں وہ اگر خود غلام بن جائیں تو معاملہ کہاں جاپہنچتا ہے۔ شاہ جیؒ کو اس

بات کا شدت سے احساس تھا۔اسی لیے وہ غلامی اور انگریز دونوں کے شدید مخالف تھے۔ فرمایا کرتے تھے:"مجھے دنیا میں صرف ایک ہی چیز سے محبت ہے اور وہ ہے قرآن اور ایک ہی چیز سے نفرت ہے اور وہ ہے انگریز"۔[24]

یہ دو جذبے ان کی زندگی کی تمام تر تگ ودو کے محرک تھے جس سے سرشار ہو کر وہ ہر ظلم کے خلاف ڈٹ گئے۔ان کی تمام زندگی میں کہیں بھی مداہنت نظر نہیں آتی۔ان کے اس جذبے کے سامنے ہندوستان جیسے وسیع وعریض ملک کی وسعتیں سکڑی نظر آتی ہیں۔وہ ایک سیل رواں تھے۔جس کو روکنا حکومت کے بس کی بات نہیں تھی۔سید عطا اللہ شاہ بخاری اس ملک کی آزادی کے کس قدر خواہشمند تھے اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے:"میں ان سؤروں کا ریوڑ چرانے کو بھی تیار ہوں جو برٹش امپریلزم کی کھیتی کو ویران کرنا چاہیں۔میں کچھ بھی نہیں چاہتا میں ایک فقیر ہوں۔اپنے نانا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت پر مر مٹنا چاہتا ہوں اور اگر کچھ چاہتا ہوں تو صرف اس ملک سے انگریز کا انخلاء۔دوہی خواہشیں ہیں میری زندگی میں، یہ ملک آزاد ہو جائے یا پھر میں تختہ دار پر لٹکایا جاؤں"۔[25]

(ب)دعوت وتبلیغ

سید عطاءاللہ شاہ بخاریؒ ایک مؤثر مبلغ اسلام بھی تھے۔یہ حقیقت ہے کہ پنجاب اور سرحد کے دور دراز دیہاتوں میں مسلمانوں کو دین اسلام کی تعلیمات سے رُوشناس کرانے میں شاہ صاحب کا کردار بڑی اہمیت کا حامل ہے۔بہاول پور، رحیم یار خان، مظفر گڑھ کے دیہاتی علاقے اور ڈیرہ اسماعیل خان کا کونسا قصبہ اور دیہات ایسا ہے جہاں سید عطاءاللہ شاہ بخاریؒ نہ گئے ہوں۔ووٹ مانگنے کے لیے نہیں بلکہ دین بتانے کے لیے۔آپ کی قوت اور دینی جذبہ وتبلیغی کارکردگی کا اندازہ تو لگائیں کہ انتہائی ہنگامی زندگی میں اکثر اوقات وقت بچاکر ان دیہاتوں میں جاتے ، پیدل سفر کرتے۔اپنا بستر خود اٹھا کر، میلوں پیدل چل کر پرخار راہوں پر سفر کر کے آپ ایسے دیہاتوں میں بھی گئے جہاں جانا جوئے شیر لانے کے مترادف ہے۔آپ ان دیہاتوں میں مسلمانوں کو دین اسلام کی تعلیمات سے بہرہ ور کرتے اور غیر مسلموں کو اسلام پیش کرتے تھے۔کہا کرتے کہ جسے ہندوؤں کا ساتھی ہونے کا طعنہ دیتے ہو، خدا کے فضل سے ہزاروں ہندوؤں کوکلمہ پڑھانے کا شرف حاصل ہے۔

سید عطاءاللہ شاہ بخاریؒ نے یہ معمول بنارکھا تھا کہ وہ ہر سال اپنے آپ کو چار ماہ صرف تبلیغی مقصد کے لیے محدود کرلیتے تھے اور اس عرصہ میں اپنی تمام سیاسی مصروفیات ترک کر کے دین اسلام کی خدمت اور تبلیغ کے لیے ہمہ تن کوشاں رہتے۔دیہاتوں میں جاتے اور وہاں کے لوگوں کو عقائد وعبادات سکھاتے نیز ان کی قبیح رسومات کا قلع قمع کرتے۔ چنانچہ

- ☆ انہوں نے پنجابی مسلمانوں کے بعض علاقوں کی خطرناک مذہبی بد اعتقادیوں کا ڈٹ کر مقابلہ کیاجس سے بے شمار مسلمانوں کو فائدہ پہنچا۔
- ☆ جن علاقوں میں فرضی گروپوں اور مصنوعی گدیوں کے خرافات تعمیر تھے مثلاً ملتان، ڈیرہ غازیخان، مظفر گڑھ وغیرہ وہاں علی التواتر نعرہ جہاد بلند کیا نتیجتاً ایک بڑی آبادی کا ایمان محفوظ ہوگیا۔

☆ قرآن کے بجائے دیہات میں یوسف زلیخا، ہیر رانجھا، سوہنی مہینوال اور مرزا صاحباں کے عشقیہ قصیدے عقیدتاً حفظ کیے جاتے تھے۔اس بد مذاقی کا طلسم توڑا اور اس کی جگہ قرآن پاک کی تلاوت کو عام کیا۔

☆ عام مسلمانوں کو قرآناً اور اسلاماً سمجھایا کہ انسانی فضیلت کی بنیادیں خاندانی تفاخر پر قائم نہیں ہوئیں۔بلکہ ہر انسان اپنے علم وذہانت وزہد وتقویٰ کے باعث قابل تکریم ہے۔

☆ تمام صوبوں میں بے شمار دینی مدرسے کھلوائے اور انہیں خود مکتفی بنانے کے لیے عامۃ المسلمین سے زرِ اعانت فراہم کیا۔

☆ قرآن کریم کی بعض آیات کے ان غلط ترجموں کو فاش کیا۔جن میں انگریزوں کی مصلحتوں کو مقدم رکھا گیا تھا۔

☆ مبلغین کی ایک ایسی جماعت تیار کی جس نے نہ صرف بدعات کے خلاف جہاد کیا بلکہ منکرات کی راہ روک لی۔اس سے بنیادی اجتماعی فائدہ یہ پہنچا کہ مسلمانوں میں اسلامیات سے دماغی شغف کا رشتہ مقابلتاً مضبوط ہوگیا۔[26]

(ج)تحریک خلافت وموالات

انگریز سامراج نے خلافت عثمانیہ کے حوالے سے جو کردار ادا کیا اس پر برصغیر کے تمام مسلم رہنما یک زباں ہو کر سیاسی میدان میں برسرپیکار ہوگئے۔شاہ جی کے لیے بھی ان حالات سے متاثر ہونا ایک فطری عمل تھا۔اس حوالے سے جانباز مرزا لکھتے ہیں:"ان دنوں شاہ جی کے جذبات اور انگریز کا تشدد دونوں شباب پر تھے۔دونوں کے ٹکراؤ نے نوجوانوں کے ہاتھ فرنگی سامراج کے گریبان تک پہنچا دیئے"۔[27]

اس سے قبل شاہ جی ترکِ موالات کی تحریک میں کانگریس اور مولانا ابوالکلام آزاد کے شانہ بشانہ تحریکی کردار ادا کرچکے تھے۔تحریکِ احیائے خلافت کے لیے شاہ جی کے کردار پر تبصرہ کرتے ہوئے خان غازی کابلی لکھتے ہیں:"۱۹۲۱ءو۱۹۲۲ء میں جب احیائے خلافت کے لیے ہندوستان میں تحریک شروع ہوئی تو مولانا سید عطاءاللہ شاہ بخاری خدمتِ اسلام کے پاکیزہ جذبے سے میدانِ عمل میں آئے۔اپنی آتش بیانی اور حریت پرور نغموں سے ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں ہندو ومسلمانوں کو گرمایا اور مسلمانوں کو حکومت سے ترکِ موالات کے لیے آمادہ کیا[3]۔لوگوں نے نہ صرف حکومت سے ترکِ موالات کیا بلکہ آپ کے ارشادات کے مطابق ہزاروں مسلمانوں نے عدم تشدد کے اصول پر عمل پیرا ہو کر جیلوں کو بھی بھر دیا"۔[28]

تحریک خلافت اور تحریک ترک موالات کے نتائج ہندوستان کی آزادی کی تاریخ میں نمایاں مقام رکھتے ہیں۔چنانچہ ان تحریکات نے مسلمانوں میں آزادی کی جدوجہد کو بیدار کرکے ان میں حریت وآزادی کی روح پھونک دی۔ان تحریکات میں شاہ جی حضرت شیخ الہندؒ اور ان کی جماعت کے ساتھ مل کر مسلمانوں کی عظمتِ رفتہ کے احیاء کی کوشش کرتے رہے۔ان کے خطبات وبیانات میں نہ صرف مسلمانوں میں بلکہ ہندوستان کی قومی آزادی کے حصول کا راستہ آسان کردیا۔وہ تحریک خلافت کے پس منظر میں مسلمانوں کو اپنی تاریخِ گم گشتہ کے اوراق پڑھنے اور غلبۂ دین کی جدوجہد پر اکساتے رہے۔

---

[3]۔ اس تحریک کی پاداش میں شاہ جی کو قید وبند کی صعوبتیں بھی برداشت کرنا پڑیں۔سید ابوذر بخاری کے مطابق پہلی دفعہ آپ تحریک خلافت میں زیر دفعہ ۱۲۴الف ۱۴مارچ ۱۹۲۱ءکو امرتسر کے مقام سے پکڑے گئے اور تین سال قید بامشقت کی سزا پائی۔(بخاری،سید ابوذر،مقدمات امیر شریعت،مکتبہ احرار اسلام،ملتان،۱۹۶۹ء،ص۵)

(د)تحریکِ ہجرت

عین اس وقت جب تحریک خلافت اور تحریک موالات جیسی تحریکات اپنے جوبن پر تھیں۔اپریل ۱۹۲۰ء میں مولانا عبدالباری فرنگی محلّی نے ہندوستان کو دارالحرب قرار دیتے ہوئے ہندوستان سے ہجرت کرکے کسی دوسرے اسلامی ملک میں چلے جانے کا فتویٰ جاری کیا۔اس سے قبل ۱۷۵۶ءمیں شاہ عبدالعزیز دہلوی دارالحرب کا فتویٰ جاری کرچکے تھے لیکن اس دور کے حالات اور اب کے حالات میں بہت فرق تھا اور مذکورہ بالا تحریکات کی موجودگی میں ایک نیا محاذ کھول لینا سیاسی نقطۂ نگاہ سے قطعاً دانشمندی نہ تھی۔ چنانچہ کانگریس اور جمعیۃ علمائے ہند سے منسلک اکابرین ورہنما اس تحریک کو مسلمانوں کے لیے مفید خیال نہ کرتے تھے۔تاہم شاہ جی نے علمائے فرنگی محل کے شانہ بشانہ اس کی مکمل حماےت کی۔ان کا ماننا تھا کہ انگریز سامراج کے ظلم وستم نے مسلمانوں کے سامنے دو ہی راستے چھوڑے ہیں۔چنانچہ اب یا تو آزادی کے لیے اپنی جان دے دی جائے یا پھر اس ریاست سے کسی دوسری اسلامی ریاست کی طرف ہجرت کرلی جائے جہاں مسلمان مکمل آزادی کے ساتھ اپنے دین پر عمل پیرا ہوسکیں۔

تحریکِ ہجرت میں تقریباً چالیس ہزار کے قریب مسلمان افغانستان ہجرت کرگئے تھے۔تاہم والیٔ افغانستان اور اپنوں کی ریشہ دوانیوں کی وجہ سے یہ تحریک بری طرح ناکام ہوئی۔اس پر تبصرہ کرتے ہوئے جانباز مرزا نے لکھا ہے:"شاہ جی اور دوسرے زعمائے ملت جنھیں تحریک ہجرت کا خضرِ راہ کہا جاسکتا تھا، تحریک کی ناکامی اور چالیس ہزار مہاجر مسلمانوں کی کابل سے نامراد واپسی پر سکونِ دل کھو بیٹھے۔دوستوں کے گلے اور دشمنوں کے غصے نے شاہ جی کو دل برداشتہ کردیا"۔[29]

(ر)تحریک قُبہ

۱۹۲۵ء سے ایک سال بیشتر جب کہ ہندوستان کے مذہبی وسیاسی رہنما تحریک خلافت، ترک موالات اور تحریک ہجرت کے نتیجہ میں طویل اسارت کاٹ کر آزاد ہوئے تھے ان کے لیے انگریز سامراج نے ایسی فضا پیدا کردی کہ شدھی وسنگھٹن کے ہنگاموں میں ہندوستانی قوموں کو الجھا کر رکھ دیا۔انھی دنوں سلطان ابن سعود کے خلاف بغاوت پر مسلمانوں کو ابھارا گیا اور سلطان عبدالعزیز کے قبے گرانے کی مہم کو مذہبی رنگ دے کر مسلکی انتشار پھیلانے کی کوشش کی گئی تاہم شاہ جی نے علمائے دیوبند کے شانہ بشانہ اس سازش کو ایک تحریک کی شکل دے کر مسلمانوں کی درست سمت میں رہنمائی کی۔ اس تحریک کے دوران لاہور میں ایک اجتماع ہوا۔جس میں ایک سوال کیا گیاکہ آپ کے نزدیک اگر قبر پر قبہ بنانا بدعت ہے تو پھر نبی کریم ﷺ کے مزارِ مبارک پر گنبدِ خضریٰ سے متعلق آپ کی کیا رائے ہے؟اس سوال پر سارے مجمع میں ایک ارتعاش پیدا ہوا اور دوستوں کی پریشانی بڑھی لیکن شاہ جی کو قدرت نے ذہن رسا عطا کیا تھا، سوال پر مسکرائے اور ارتجالاً فرمایا:"اگر ان معماروں نے جرأت کرلی ہے۔جنھوں نے نبی کریم ﷺ کی آخری آرامگاہ سے بھی اونچے ہو کر اس پر قبہ تعمیر کیا ہے تو پھر میری رائے ہے کہ گنبد خضریٰ کے مقابلے میں کوئی گنبد تعمیر نہیں کرنا چاہیے۔اس سے نبی کریم ﷺ کی توہین ہوتی ہے"۔[30]

(س)راجپال ایجی ٹیشن

راجپال ایک گستاخ ہندو تھا۔ جس نے "رنگیلا رسول" نامی کتاب لکھی۔ اس کتاب میں اس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ بابرکات پر گستاخانہ حملے کیے اور توہین رسالت کا مرتکب ہوا۔ جیسے ہی یہ کتاب منظر عام پر آئی مسلمانوں کے اندر غم وغصہ کی لہر دوڑ گئی۔ چنانچہ مسلمانان لاہور مجلس احرار اسلام کے دفتر بیرون دہلی گیٹ اکٹھے ہوئے تاکہ احتجاج کے متعلق کوئی لائحہ عمل تیار کیا جاسکے۔ یہاں فیصلہ ہوا کہ ایک جلسہ عام منعقد کیا جائے۔ اس جلسہ عام کی روداد بیان کرتے ہوئے مولانا مجاہد الحسینی لکھتے ہیں کہ:

"شاہ صاحب کی ایمان افروز تقریر پر لوگ سراپا غیرت وحمیت تھے۔ آپ نے فرمایا، آج مفتی کفایت اللہ اور مولانا احمد سعید کے دروازے پر ام المؤمنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ اور ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما تشریف لائیں اور فرمایا! ہم تمہاری مائیں ہیں، کیا تمہیں معلوم نہیں کہ ایک بدنام زمانہ ہندو گستاخ نے سید الکونین ﷺ کی عزت وناموس پر حملہ کیا ہے؟

ارے وہ دیکھو تو ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہیں سامنے دروازے پر تو نہیں کھڑی ہیں۔(پورا مجمع دروازے کی جانب دیکھنے لگا) بس پھر کیا تھا جلسہ گاہ میں کہرام مچ گیا۔ لوگ دھاڑیں مار مار کر رونے لگے"۔[31]

اس دن شاہ جی کی تقریر اس قدر مؤثر تھی کہ مجمع میں حشر بپا تھا معلوم ہوتا تھا کہ سرد آہوں اور گرم آنسوؤں کا ایک طوفان اُمڈ رہا ہو۔ لوگوں کی کثیر تعداد اپنے آپ کو گرفتاری کے لیے پیش کررہی تھی۔ ہر شخص مضطرب بے چین تھا۔ ہزاروں آدمی گرفتار ہوچکے تھے۔ لیکن ہجوم کے جذبات ابھی تک گرم تھے۔ شاہ جی کی تقریر سے متاثر ہو کر لاہور کے ایک بڑھئی نوجوان غازی علم الدین شہید نے ۶ اپریل ۱۹۲۹ء کو "رنگیلا رسول" کے مصنف راجپال کو اس کی دکان واقع ہسپتال روڈ (انارکلی) میں جہنم واصل کردیا۔ اس مقدمہ میں غازی علم الدین شہید نے اقرار جرم کرلیا اور شہادت پائی۔

(ص)تحریک قادیان

قادیان ضلع گورداسپور میں ایک مشہور قصبہ ہے جو مرزا غلام احمد قادیانی کی جھوٹی نبوت کا مرکز تھا اور مرزائیوں کی ایک بڑی تعداد یہاں مقیم تھی۔ یہیں انہوں نے اپنا ایک انتظامی ڈھانچہ بنا رکھا تھا۔ جس کے سربراہ مرزا بشیر الدین محمود تھے۔ اس قصبہ میں غیر مرزائی لوگ معاشی طور پر آزاد نہ تھے۔ بلکہ ان پر یہ پابندی تھی کہ وہ مرزا غلام احمد قادیانی کے احکامات کی پیروی کریں اور ان کے علاوہ کسی اور بزرگ کو نہ اپنے علاقے میں مدعو کریں اور نہ ہی کسی اور مذہبی اجتماع میں شریک ہوں۔ مرزائیوں کے مشہور مبلغ مولانا عبدالکریم نے جب مرزائیت سے تائب ہونے کا اعلان کیا تو اس جرم کی پاداش میں انہیں سخت ترین سزائیں دی گئیں۔ حتیٰ کہ ان کے مال وجائیداد کو بھی نذر آتش کردیا گیا۔

احرار رہنماؤں نے جب قادیان کے مسلمانوں کے ساتھ یہ ظلم ہوتے دیکھا تو انہوں نے ۱۹۳۳ء میں مولانا عبدالکریم کے نیم سوختہ گھر میں اپنا دفتر قائم کرلیا اور علاؤ الدین اور غریب شاہ نامی دو اشخاص کو یہاں متعین کیا۔ لیکن مرزائیوں نے نہ صرف ان کی پٹائی کی بلکہ مولانا عبدالکریم کے مکان کو بھی نذر آتش کردیا۔ ان تمام واقعات کی روشنی میں مجلس احرار اسلام نے یہ سوچا کہ قادیان میں ایک کانفرنس منعقد کی جائے تاکہ ختمِ نبوت کے ان منکروں کی دھجیاں بکھر

جائیں۔ چنانچہ ۲۱ اکتوبر ۱۹۳۴ء کو لاکھوں انسانوں کی موجودگی میں نماز عشاء کے بعد احرار تبلیغ کانفرنس کا پہلا اجلاس حضرت امیر شریعت سید عطاءاللہ شاہ بخاری کی صدارت میں شروع ہوا۔سید عطاءاللہ شاہ بخاری نے اس جلسے میں رات گئے تک تاریخی خطاب کیا۔اس کے بارے میں عبداللہ ملک لکھتے ہیں یہی وہ تقریر ہے جس میں شاہ جی نے اپنا مشہور جملہ کہا تھا کہ:

”وہ (مرزا محمود)نبی کا بیٹا ہے اور میں نبی ﷺ کا نواسہ ہوں وہ آئے اور مجھ سے اردو، عربی، فارسی، پنجابی ہر زبان میں بحث کرے۔یہ جھگڑا آج ہی طے پاجاتا ہے وہ پردے سے باہر نکلے، نقاب اٹھائے۔کشتی لڑے، مولا علی کے جوہر دیکھے، ہر رنگ میں آئے، میں ننگے پاؤں آؤں اور وہ حریر و پُرنیاں پہن کر آئے۔میں موٹا جھوٹا پہن کر آؤں اور وہ مزعفر کباب یا قوتیاں اور اپنے ابا کی سنت کے مطابق پلومر ٹانک وائن پی کر آئے۔میں اپنے نانا کی سنت کے مطابق جو کی روٹی کھاکر آؤ ں گا ، ہمیں میدان ہمیں گو“۔[32]

شاہ جی کی تقریر اس قدر مسحور کن تھی کہ تمام رات مجمع خاموشی سے سنتا رہا اور کوئی بھی ذی نفس اپنی جگہ سے نہ ہلا اور اسی تقریر کی بناءپر شاہ جی کو گرفتار کر لیا گیا۔مقدمہ چلا اور ماتحت عدالت نے سزاسنائی لیکن سیشن جج گورداسپور کے تاریخی فیصلہ کی رُوسے بری ہوئے۔لیکن یہ کانفرنس صرف تبلیغی کانفرنس نہ تھی بلکہ یہ قادیان میں ایک مستقل تحریک کی بنیاد تھی۔چنانچہ سال بھر کی دوڑ دھوپ کے بعد امیر شریعت مقدمہ سے رہا ہو کر آرام کر رہے تھے کہ اچانک احرار اسلام نے قادیان میں نماز جمعہ پڑھانے کا فیصلہ کرلیااور شاہ جی نے اس کو عملی جامہ پہنایا۔چنانچہ شاہ جی کی جرات اور بہادری سے قادیان میں نماز جمعہ شروع ہوئی اور یہ تحریک قادیان بعد میں ۱۹۵۳ء کی تحریک ختم نبوت اور ۱۹۷۴ء کی تحریک ختم نبوت کا نقطہ ٔآغاز ثابت ہوئی۔

(ط)تحریک ختم نبوت

سید عطاءاللہ شاہ بخاریؒ ایک ایسی شخصیت تھے جنہوں نے تمام عمر تحفظ ختم نبوت کی خاطر شب و روز کام کیااور اسے مربوط بنانے کے لئے آخری سانس تک سرگرم عمل رہے۔اس مقصد کے لئے حضرت شاہ جیؒ نے مجلس احرار اسلام کے پلیٹ فارم سے ہندوستان بھر میں تبلیغی جلسے منعقد کیے اور فتنہ ٔمرزائیت کے انسداد کے لئے کوشاں رہے۔دراصل بات یہ تھی کہ مجلس احرار اسلام کی ہر تحریک اور ہر قدم کے پیچھے جو سوچ اور جذبہ کار فرما ہوتا تھا۔وہ حضور ﷺ کی ختم نبوت یعنی ان پر بحیثیت آخری نبی ایمان لانا تھا۔اس سوچ اور جذبے کے روحِ رواں سید عطاءاللہ شاہ بخاریؒ تھے۔کیوں کہ ان کی زندگی کا مشن ہی تحفظ ختم نبوت تھا۔چنانچہ شاہ جی کے الفاظ ہیں:

”ختم نبوت کی حفاظت میرا جزو ایمان ہے۔جو شخص اس ردا کو چوری کریگا۔جی نہیں۔چوری کا حوصلہ کرے گا۔میں اس کے گریبان کی دھجیاں پھاڑ دوں گا۔میں محمد ﷺ کے سوا کسی کا نہیں ، نہ اپنا، نہ پرایا، میں انہی کا ہوں ، وہی میرے ہیں، جن کے حسن و جمال کو خود ربِ کعبہ نے قسمیں کھا کھا کر آراستہ کیا ہو۔میں ان کے حسن و جمال پر نہ مر مٹوں تو لعنت ہے مجھ پر اور لعنت ہے ان پر جو ان کا نام تو لیتے ہیں لیکن سارقوں (چوروں) ” ختم نبوت کی حفاظت میرا جزو ایمان ہے۔جو شخص اس ردا کو چوری کریگا۔جی نہیں۔چوری کا حوصلہ کرے گا۔میں اسکے گریبان کی دھجیاں پھاڑ دوں گا۔میں محمد ﷺ کے سوا کسی کا نہیں ، نہ اپنا، نہ پرایا، میں انہی کا ہوں ، وہی میرے ہیں، جن کے حسن و جمال کو خود ربِ کعبہ نے قسمیں کھا

کھا کر آراستہ کیا ہو۔میں ان کے حسن و جمال پر نہ مر مٹوں تو لعنت ہے مجھ پر اور لعنت ہے ان پر جو ان کا نام تو لیتے ہیں لیکن سارقوں (چوروں) کی خیرہ چشمی کا تماشا دیکھتے ہیں"۔[33]

شاہ جی نے آخری دم تک فتنہ قادیانیت کا تعاقب جاری رکھا۔اپنی زندگی کے آخری ایام میں فرماتے ہیں کہ:

"میری تو اب بھی یہی رائے ہے کہ حضور ﷺ خاتم الانبیاءہیں اور ان کے بعد جو دعویٰ نبوت کریگا میں اسے انسان بھی کہنے کے لئے تیار نہیں۔میں تختہ دار پر بھی یہی کہوں گا کہ حضور ﷺ خاتم النبین ہیں تمہارا قانون میرا کیا بگاڑ سکتا ہے اور اب رہ بھی کیا گیا ہے جو بگاڑ لو گے۔ہڈیوں کا ایک ڈھانچہ ہے۔میں چاہتا ہوں کہ یہ بھی محمد (ﷺ) کی عزت پر نثار ہوجائے تو جان چھوٹے"۔[34]

(ع)حکومت الٰہیہ کی قرار داد

مجلس احرار نے سہارن پور میں ۲۶ اپریل۱۹۴۳ءمیں ایک قرار داد منظور کی جو "حکومت الٰہیہ کی قرارداد" کے نام سے مشہور ہوئی۔اس قرارداد کے اہم محرک شاہ جی تھے جو ہندوستان میں ایسی حکومت کے خواہش مند تھے جو اسلام کے زریں اصولوں پر قائم ہو۔یہ بات طے ہے کہ مجلس احرار اسلام کے جتنے بھی فیصلے ہوتے تھے ان کے پیچھے جو روح کارفرما تھی وہ سید عطاءاللہ شاہ بخاری کی تھی جو مجلس احرار اسلام کے پہلے صدر تھے۔اس کے پلیٹ فارم سے انہوں نے جو دینی خدمات سر انجام دیں ان میں سے ایک وہ قرار داد بھی ہے جسے "حکومت الٰہیہ کی قرار داد" کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے اس تاریخی قرارداد کے مسودہ کا مختصر جائزہ درج ذیل ہے:"مجلس احرار اسلام واضح کردینا چاہتی ہے کہ اس کا نظریہ یہ نہیں ہے کہ کسی جغرافیائی یا نسلی یا لسانی وغیرہ حدود کو قائم کرنا یا برقرار رکھنا، مسلمان کا مذہبی یا حقیقی اور قطعی فریضہ ہے۔بلکہ ہر حالت میں خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دکھائی ہوئی راہ پر چلنا ، دنیا میں نیکی سے رہنا، نیکی سے تعاون کرنا، نیکی کی حکومت قائم کرنا اور نیکی کو رواج دینا خلقت انسان کی خداوندی حکمت ومصلحت ہے اور مجلس احرار اسلام دنیا کے جس حصہ میں بھی ممکن ہو، حکومتِ الٰہیہ کے قیام کی خواہاں ہے تاکہ دنیا کو دکھایا جاسکے کہ اسلام کے زریں اصولوں پر کاربند ہو کر کس طرح دنیا کے مصائب کا علاج کیا جاسکتا ہے اور دنیا وآخرت میں فلاح کی صورت پیدا کی جاسکتی ہے"۔[35]

مجلس احرار اسلام نے سہارن پور میں حکومت الٰہیہ کی قرار داد منظور کی نیز یہ فیصلہ کیا کہ آئندہ مجلس احرار اسلام ہندوستان کے موجودہ فرقہ وارانہ فیصلوں سے الگ رہے گی اور ہندوستان کے آئین میں اگر کوئی تبدیلی آئی تو مسلمان اپنے لیے حکومت الٰہیہ کا نظام پسند کریں گے۔جماعت کی اس نئی قرار داد نے امیر شریعت کی ذمہ داریوں میں مزید اضافہ کردیا تھا۔چنانچہ وہ حکومت الٰہیہ کے حق میں عوام سے کہتے کہ کسی زمین کو حاصل کرنے سے بیشتر اللہ کا نظام اپنے دلوں پر قائم کریں۔انگرےز کی ڈیڑھ سو سالہ غلامی سے جو دل زنگ آلود ہوچکے ہیں انہیں ایمان کی کسوٹی پر پرکھیں تاکہ کفر کے نظامِ حکومت کی جو آلائشیں اس پر جم چکی ہیں وہ صاف ہو جائیں۔اس کے علاوہ اگر آپ نے کوئی زمین حاصل کرلی تو جو نظام آپ قائم کریں گے وہ انسانوں کا بنا ہوا ہوگا۔جس کی ہر شق کفر کے آئین سے ماخوذ ہوگی۔امیر شریعت نے حکومت الٰہیہ کے قیام جیسی عظیم دینی خدمت کے لیے شب وروز ہندوستان بھر کے دورے کےے اور عوام کو اپنی مسحور کن تقاریر

سے اس بات کا ہم نوا بنایا کہ حکمرانی صرف اللہ ہی کی ہے۔جس سے انسانی عظمت کو چار چاند لگ جاتے ہیں اور ہر نوع کی غلامی سے انسان کو نجات حاصل ہوجاتی ہے۔

(ف)تحریک مدحِ صحابہؓ

تحریک مدح صحابہؓ کا آغاز یوں ہوا کہ لکھنؤمیں تقریر کے دوران کسی نے امیر شریعتؒ سے صحابہ کرامؓ کے نام کے ساتھ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہنے پر بلند آواز سے پکارا کہ شاہ صاحب! یہاں صحابہ کرامؓ کے نام کے ساتھ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہنا جرم ہے۔یہ فقرہ سنتے ہی امیر شریعت نے مجمع سے دوبارہ تصدیق کی اور معاً بعد طبیعت میں یکایک تیزی آگئی اور صحابہ کرام کا نام بار بار لیا اور ہر نام کے ساتھ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہا۔شاہ جیؒ تین چار روز قیام کے بعد امرتسر واپس تشریف لے آئے لیکن انہیں اس بات کا قلق تھا کہ لکھنؤمیں ایسا قانون رائج ہے جس کی روسے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی مدح کرنا جرم ہے ۔ چنانچہ۲۶اگست۱۹۳۵ءکو دوبارہ لکھنؤ گئے اور چوک فرنگی محل میں جلسہ سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:"مجھے افسوس ہے کہ انگریز نے لکھنؤمیں ایک ایسا قانون رائج کر رکھا ہے جس کی روسے منقبت صحابہ کرنا اور کرانا جرم ہے۔حضرت ابو بکر صدیق، عمر، عثمان اور علی رضوان اللہ علیہم اجمعین کی تعریف کرنا قابل سزا جرم ہے۔اور یہ سزا دو سال تک ہے۔غضب خدا کا اسی ہزار اہل سنت والجماعت کی آبادی اور وہ اس قانون کو حکومت سے نہیں بدلواتی۔۔۔ حکومت کو چاہیے کہ وہ اپنی پوزیشن پر غور کرے۔میں تمام یو۔پی کو ایک مرکز پر جمع کروں گا اور اس قانون کو آئینی جدوجہد سے ختم کرا کر دم لوں گا اور اگر اس طرح بھی اس قانون کو ختم نہ کیا گیا تو پھر میں بے آئینی بھی کرسکتا ہوں"۔[36]

شاہ جی کی اس تقریر کے بعد تحریکِ مدحِ صحابہؓ کی ابتداءہوئی۔۱۹۳۷ءمیں امیر شریعت جب دوبارہ لکھنؤتشریف لے گئے تو انہوں نے جو تقریر کی اس میں انہوں نے مسلمانان لکھنؤسے یہ سوال کیا کہ کیا اس صوبہ میں ان کا کوئی وارث ہے یا نہیں؟ شاہ جی نے اس سوال کو زیر بحث لا کر کوئی تین گھنٹے تک خطاب کیا۔آخر ۱۰ جولائی ۱۹۳۷ءبروز جمعہ مجلس احرار نے کانگریسی حکومت کے خلاف سول نافرمانی تحریک کا اعلان کردیا۔اس تحریک میں تقریباً پچیس ہزار مسلمان گرفتار ہوئے۔بالآخر یو۔پی کی حکومت نے سنی عقائد کے مسلمانوں کا مدح صحابہؓ کا حق تسلیم کرتے ہوئے ۱۹۰۹ء کے انگریزی اعلان کو ختم کردیا۔تحریک مدح صحابہؓ کی کامیابی میں سید عطاءاللہ شاہ بخاری کی کوششوں کا بنیادی عمل دخل تھا۔

(ک)مسجد شاہ چراغ ومسجد شہید گنج

سات اور آٹھ جولائی ۱۹۳۵ءکی درمیانی رات چند سکھوں نے ہندوستان کی تاریخی مسجد شہید گنج کو مسمار کرنے کی کوشش کی۔اس واقعے کے پسِ پردہ دراصل انگریز سامراج کی یہ سازش پنہاں تھی کہ مسلمانوں اور سکھوں کو باہم الجھا دیا جائے۔ان دنوں پنجاب کا گورنر ایمرسن نام کا ایک متعصب انگریز تھا جو ۱۹۲۴ء میں ملتان کا ڈپٹی کمشنر رہ چکا تھا اور ہندو مسلم فسادات کروانے میں بڑی شہرت رکھتا تھا۔اس موقع پر پورے پنجاب کی فضا خراب ہوگئی اور بہت قریب تھا کہ مجلس احرار بھی اس آگ کی لپیٹ میں آجاتی لیکن حضرت شاہ عبد القادر رائے پوری کی وجہ سے احرار نے جذباتیت سے کنارہ

کرتے ہوئے اس اہم واقعہ پر شدید مگر مثبت ردِ عمل ظاہر کیا اور انگریز کی سازش کو ناکام کر دیا۔اس حوالے سے مجلس احرار کا مؤقف یہ تھا کہ مسجد گری نہیں بلکہ گرائی گئی ہے اور یہ سب الیکشن کی سیاسی تدبیریں ہیں۔

شاہ جی نے جو عمر بھر دینی خدمات سرانجام دیں ان میں سے ایک خدمت مسجد شاہ چراغ لاہور کی واگزاری بھی ہے۔مسجد شہید گنج کے واقعات سے لاہور کی فضاء میں ایک زبردست تناؤ تھا اور مسجد کو گرانے کے اس واقعہ کے خلاف زبردست ردعمل ہورہا تھا کہ انہی دنوں حضرت شاہ صاحب نے بادشاہی مسجد لاہور میں تقریر کرتے ہوئے لوگوں کی توجہ ایک ایسے مسئلے کی طرف دلائی جو کہ مسجد شہید گنج کی طرح بڑا اہم تھا۔چنانچہ جانباز مرزا رقمطراز ہیں:"اس ہنگامہ آرائی میں امیر شریعت نے لاہور شاہی مسجد میں تقریر کے دوران کہا آج الیکشن کی ضرورت نے انگریز پرست لوگوں کو مجبور کیا کہ مسجد (شہیدگنج) گرا کر اور اس کے کھنڈرات کو سیڑھیاں بناکر پنجاب اسمبلی میں جائیں۔ان مسجد کے شیدائیوں سے پوچھو کہ کیا لاہور میں کوئی دوسری مسجد نہیں۔(امیر شریعت کا یہ اشارہ مسجد شاہ چراغ کی طرف تھا جس میں ان دنوں سرکاری دفتر تھا) اس کی بازیابی کے لیے تو آواز بلند نہیں ہوتی۔مگر ایک ایسی مسجد کو گرا کر کونسل کی سیڑھیاں بنایا جارہا ہے جس کے گرنے سے پنجاب ہی میں نہیں بلکہ پورے ہندوستان میں خون کی ندیاں بہہ جانے کا احتمال ہے۔یہ تقریر صرف آدھ گھنٹہ جاری رہی اور امیر شریعت کے اس فقرے نے کہ کیا لاہور میں کوئی دوسری مسجد نہیں جس میں آج کل سرکاری دفاتر قائم ہیں، میں حکومت اور عوام کو گہری فکر میں ڈال دیا"۔[37]

اس وقت حکومت پنجاب نے یہ سوچا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ مسئلہ بھی شہید گنج کی طرح اٹھ کھڑا ہو اور حکومت کے لیے باعث مصیبت بن جائے۔چنانچہ دوسرے روز ہی اخبارات میں یہ خبر جلی سرخیوں سے شائع ہوئی کہ حکومت نے مسجد شاہ چراغ مسلمانوں کو واگزار کردی ہے اور اس کا انتظام انجمن اسلامیہ کے سپرد کر دیا۔یوں حضرت شاہ صاحب کی کوششوں سے یہ خانۂ خدا دوبارہ آباد ہوا۔

(ل)تحریکِ پاکستان

امیر شریعت سید عطاءاللہ شاہ بخاری نے انگریز سامراج کے خلاف کانگریس اور جمعیۃعلمائے ہند کے ساتھ مل کر بھرپور تحریکی کردار ادا کیا۔تاہم مسلم لیگ کے نام سے وجود میں آنے والی جماعت دراصل مسلمانوں کے خلاف انگریز کا وہ محاذ تھا جس نے اسلام کے نام پر لوگوں کو دھوکہ دینے کی کوشش کی۔یہ جماعت شروع دن سے ہندوستان کی آزادی پسند تحاریک کے حوالے سے انگریز کے آلہ کار کا کردار ادا کرتی رہی۔نیز آزادی پسند علماء کے خلاف منفی پروپیگنڈے اور ان کی ہتک عزت جیسے ناروا امور بھی روا رکھے گئے۔ظاہر ہے کہ شاہ جی جیسے دُوربین شخص کے لئے یہ بات ناقابلِ برداشت تھی۔ان کی رائے یہ تھی کہ انگریز سامراج مسلمانوں اور ہندوؤں کو مذہب کے نام پر لڑوا کر خود بحفاظت اس خطے سے نکلنا چاہتا ہے۔چنانچہ تقسیمِ ہندوستان کے دوران جن دو فکروں نے جنم لیا تھا ان میں شاہ جی، کانگریس اور جمعیۃ علمائے ہند کے ہم نوا تھے۔شاہ جی کے خطبات سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ تقسیم کے اس عمل کو ہندوستان کے مسلمانوں کے لئے نقصان دہ سمجھتے تھے۔چنانچہ وہ فرماتے ہیں:"میں تو بس ہندوستان میں انگریز سے ایک ہمہ گیر اور فیصلہ کن لڑائی دیکھنے اور لڑنے کا متمنی ہوں۔انگریزوں نے اقتدار مسلمانوں سے چھینا اور مسلمانوں کو ہی لوٹا کر ہندوستان سے نکل جائیں۔پھر ہندوستان کے

مستقبل کا فیصلہ ہم خود مل جل کر کریں گے۔ فرنگی غاصب ہے، اسے ہمارے فیصلے کرنے کا کوئی حق ہے اور نہ اس سے ہمیں بھلائی کی توقع۔پاکستان کی موجودہ تھیوری مسلمانوں کے لیے ہلاکت آفریں اور ہلاکت خیز ہے۔" [38]

پاکستان کے حوالے سے شاہ جیؒ کو کوئی ذاتی عناد یا دشمنی نہ تھی بلکہ ۲۶ اپریل ۱۹۴۶ء کو اردو پارک دہلی میں شاہ جی نے ایک یادگار خطاب کیا اور اس یادگار خطاب میں اپنے تصورِ پاکستان کی وضاحت کی۔ آپ نے فرمایا کہ:

"اس تقسیم کی بدولت آپ کا پانی روک دیا جائے گا۔ آپ کی معیشت تباہ کرنے کی کوشش کی جائے گی اور آپ کی یہ حالت ہو گی کہ بوقتِ ضرورت مشرقی پاکستان، مغربی پاکستان کی اور مغربی پاکستان، مشرقی پاکستان کی مدد سے قاصر ہو گا۔ اندرونی طور پر پاکستان میں چند خاندانوں کی حکومت ہو گی اور یہ خاندان زمینداروں، صنعت کاروں اور سرمایہ کاروں کے خاندان ہوں گے۔ انگریز کے پرُوردہ، فرنگی سامراج کے خود کاشتہ پودے، سروں، نوابوں اور جاگیرداروں کے خاندان ہوں گے۔ جو اپنی من مانی کاروائی سے محب وطن اور غریب عوام کو پریشان کر کے رکھ دیں گے۔ غریب کی زندگی اجیرن ہو جائے گی۔ ان کی لوٹ کھسوٹ سے پاکستان کے کسان اور مزدور نان شبینہ کو ترس جائیں گے، امیر روز بروز امیر اور غریب، غریب تر ہوتے چلے جائیں گے۔" [39]

شاہ جی پر اس نقطہ نظر کی بناءپر ہندوؤں کے ساتھی ہونے کے الزامات بھی لگائے گئے۔ مسلمانوں کی جذباتیت اور بے شعوری نے اپنے دیگر رہنماؤں کی طرح شاہ جی کے ساتھ بھی انصاف نہیں کیا۔ وہ ہندو مسلم اتحاد کے حامی تھے۔ چنانچہ شورش لکھتے ہیں:"ایک نوجوان نے جو کسی فلم میں سائیڈ ہیرو تھا، شاہ جی سے کہا "ہندو مسلم اتحاد ناقابلِ عمل ہے"۔ شاہ جی نے کہا "ہاں بھئی تم بھی ٹھیک کہتے ہو، واقعی اتحاد سے بڑھ کر خطرناک چیز کوئی نہیں البتہ پیٹ کے لئے ہو تو خطرناک نہیں آزادی کے لئے ہو تو خطرناک ہے۔ فلمی صنعت میں ہیرو ہندو ہو اور ہیروئن مسلمان، تو وہ اتحاد قابل عمل ہے لیکن قومی سیاست میں عطاءاللہ شاہ، جواہر لعل سے قدم ملا کر چلے اور مقصود انگریزوں کی غلامی ختم کرنا ہو تو اس سے بڑھ کر بھلا کیا چیز خطرناک ہو سکتی ہے۔" [40]

یہ ایک حقیقت ہے کہ شاہ جی نے پاکستان کے حوالے سے جن امور کی نشاندہی کی تھی آج کے معروضی حالات نے اس کو حرف بحرف درست ثابت کیا ہے۔ تاہم یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ پاکستان بن جانے کے بعد شاہ جی نے کبھی گذری باتوں کو دوبارہ نہیں دہرایا بلکہ عملی سیاست سے کنارہ کش ہو کر اس ملک کی مضبوطی پر لوگوں کو ابھار اور خود بھی ہمیشہ اس کی کوشش کی۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں کہ:

"تقسیم سے پہلے ایک مسئلے پر میں نے لیگ سے دیانتدارانہ اختلاف کیا۔ صرف ایک سیاسی مسئلے کا اختلاف تھا۔ رائے کی ٹکر تھی۔ برادری کے دو بھائیوں کے درمیان ایک سوال پر بحث تھی میرے دل میں چند خدشات تھے جن کے لئے وقت کی سیاسی فضا کوئی اطمینانِ بہم نہ پہنچا سکی۔ قوم نے فیصلہ کر دیا اور جس دیانتداری سے ہم نے اختلاف کیا تھا اسی دیانتداری سے ہم نے برادری کے فیصلے کو تسلیم کر لیا۔ اب یہ ملک میرا ہے۔ میں اس کا وفادار شہری ہوں۔" [41]

تقسیمِ ہندوستان کے بعد شاہ جی پاکستان تشریف لے آئے۔ اگر وہ ہندوستان میں رہتے تو شاید ہندوستان انہیں اپنے سر کا تاج بناتا اور ان کی عزت و احترام میں آخری حد تک چلا جاتا لیکن اس موقع پر بھی شاہ جی نے اپنی ذات کی بجائے

اپنی قوم کا ساتھ دیا اور ہندوستان سے ہجرت کر کے آنے والے مسلمانوں کو لادینیت، قادیانیت اور سرمایہ داریت سے بچانے کے لئے خود کو وقف کر دیا۔ آپ کی سوچ یہ تھی کہ:

"اب پاکستان بن چکا ہے۔ یہ ہمارا وطن ہے اور ہمیں اس حقیقت کو تسلیم کرتے ہوئے اس کی تعمیر اور خدمت میں جت جانا چاہئے۔ یہ قطعہ زمین ہم نے بے پناہ قربانیوں کے بعد حاصل کیا ہے۔ تیرہ سو سال میں آج تک کسی نے آزادی کے لئے اتنی قیمت ادا نہیں کی جتنی ہمیں کرنی پڑی ہے۔ اب اس بیش قیمت ملک کو ہر قیمت پر بچانے کے لئے ہمیں تیار رہنا چاہئے۔" [42]

خلاصہ بحث

سید عطاءاللہ شاہ بخاریؒ اول و آخر ایک دینی رہنما تھے اور سیاست کو انہوں نے اپنی دینی جدوجہد اور اپنے دینی عزائم کی تکمیل کے لئے اس راستے کو بھی اختیار کیا۔ شاہ جی کی دینی فکر اور دینی جدوجہد میں ہمیں دو بنیادی عنصر واضح طور پر نظر آتے ہیں یعنی انگریز دشمنی اور محاسبۂ قادیانیت۔ شاہ جی کی یہ دشمنی ذاتی حوالے سے بالکل نہ تھی۔ شاہ جی سمجھتے تھے کہ انگریز غاصب ہے۔ اس نے مسلمانوں کی حکومت کو سازش کے ذریعے ختم کیا ہے۔ برصغیر میں غلامی کی زنجیریں انگریز لے کر آیا ہے۔ مسلمانوں کی وحدت کو پارہ پارہ کرنے میں انگریز سامراج کی مکروہ ذہنیت شامل ہے۔ اسی طرح مسلمانوں میں جذبۂ جہاد کو ختم کرنے کے لئے قادیانیت کو خود کاشتہ پودا اگانے میں بھی فرنگی استعمار کا ہاتھ ہے۔ چنانچہ شاہ جی انگریز سامراج اور محاسبۂ قادیانیت کو اپنی زندگی کا اولین مقصد سمجھا اور تادمِ آخر ان کی مذمت کرتے رہے۔ تاہم شاہ جی پر امن جدوجہد کے قائل نظر آتے ہیں۔ شاہ جی کے تمام جدوجہد عدم تشدد کی بنیاد پر ہے۔ ظاہر ہے جو شخص پر امن اور عدم تشدد کی جدوجہد کا ایجنڈہ لے کر نکلا ہو، اسی کے ساتھ ہر مسلک، ہر گروہ اور ہر جماعت کے لوگ شامل ہوتے ہیں۔ شاہ کا طرز عمل اوردینی فکر آج بھی قابلِ عمل ہے کیونکہ شاہ جی نے مسالک اور طبقات سے کبھی بھی لڑائی پیدا نہیں کی۔ شاہ جی کے پاس تمام مسالک اور طبقات کے لوگ آتے رہے اور انہوں نے تمام لوگوں سے خلوصِ دل کے ساتھ محبت کی۔ شاہ جی کے بقول جو مذہب دل کے اندر گداز پیدا نہ کرے وہ مذہب نہیں ہو سکتا۔ شاہ جی نے عملی وحدت اور دینی وحدت کے ذریعے منقسم طبقات میں ایک جوڑ پیدا کیا اور تمام طبقات کو یکجہتی کی زنجیر میں جوڑ دیا۔

This work is licensed under a Creative Commons Attribution 4.0 International License

حوالہ جات(References)

[1] جانباز مرزا، حیات امیر شریعت، مکتبہ تبصرہ، لاہور، ۱۹۴۹ء، ص ۱۱
Janbāz Mirzā, Hayāt e Amīr Shariat, Maktab-e-Tabsara, Lahore,1949,P:11

[2] نذیر مجیدی، شاہ جی، جدید بکڈپو، لاہور، ۱۹۶۵ء، ص ۴
Nazir Majidī, Shāh Ji, Jadeed Book dipo, Lahore, 1965,P:4

[3] بخاری، ابوذر(مرتب)، سواطع الالہام، مکتبہ احرار اسلام، ملتان، ۱۹۵۵ء، ص ۶
Bukhārī, Abū Dharr (Editor), Swāte ul-Ilhām, Maktab Ahrār e Islām, Multan,1955,P:6

[4] شورش کاشمیری، سید عطاءاللہ شاہ بخاری، مطبوعات چٹان، ۱۹۷۳ء، ص ۴۲

Shūrash Kāshmīrī, Syed Atā ullah Shah Bukhāri, Matbūaāt e Chitān, 1973, P:42

[5] عامر، زاہد منیر، سید عطاءاللہ شاہ بخاری اور پاکستان، مکتبہ لولاک، فیصل آباد، ۱۹۸۳ء، ص۳۳

Aāmir, Zahid Munīr, Syed Ataullah Shah Bukharī aor Pakistan, Maktab Lolak, Faisalabad,1983,P:33

[6] کابلی، خان غازی، حیات بخاری، احرار فاونڈیشن پاکستان، ۲۰۰۳ء، ص۴۳

Kāblī, Khan Ghāzi, Hayat e Bukhari, Ahrar Foundation Pakistan,2003,P:43

[7] شجاع آبادی، اسماعیل، عطاءاللہ شاہ بخاری (سوانح وافکار)، ادارہ تالیفات ختم نبوت،لاہور،ص۵۵

Shujā abādī, Ismāil, Ataullah Shah Bukhari (swanih o Afkar),Idar takifat w Khatm e nabuwwat, Lahore, P:55

[8] M.Rafiq Akhtar,The Great Orator,TehreekTahaffuz Khatm-e-Nabuwat,Multan 1988,P:29-

[9] بخاری، ام کفیل، سیدہ، سیدی وابی، بخاری اکیڈمی، دارِ بنی ہاشم ، ملتان، ۲۰۱۳ء، ص۲۹

Bukhārī, Umm Kafeel Syeda, Sayedi Wa abi, Bukhari Academy, Dar Bani Hashim, Multan, 2013, P:29

[10] مجاہد الحسینی، مولانا، خطبات امیر شریعت، حصہ اوّل، ۱۹۸۴ء، ص۱۸

Mujahid Al-Husseini, Maulana, Khutbat e Amīr Shariat, Part I, 1974, P: 18

[11] بخاری، ام کفیل،سیدہ، سیدی وابی، ص۳۹

Bukhārī, Umm Kafeel Syeda, Sayedi Wa abi,P:39

[12] شورش کاشمیری، سید عطاءاللہ شاہ بخاری، ص۴۵

Shūrash Kāshmīri, Syed Ataullah Shah Bukhari,P:45

[13] مرجع سابق، ص۵۶۔۵۷ Ibid,P:56-57

[14] بخاری، ام کفیل، سیدہ، سیدی وابی، ص۷۷

Bukhāri, Umm Kafīl Syeda, Sayedī Wa abī,P:77

[15] کابلی، خان غازی، حیات بخاری، ص۱۶۴

Kābli, Khan Ghazi, Hayat e Bukhari, P:164

[16] افضل حق، چوہدری، تاریخ احرار، مکتبہ احرار اسلام ،پاکستان، مارچ۱۹۶۸، ص۱۷

Afzal Haq, Chaūdhry, Tarikh e Ahrār, Maktab Ahrar e Islam, Pakistan, March 1968, P:17

[17] سید کفیل بخاری(مرتب)،ماہنامہ نقیب ختم نبوت(امیر شریعت نمبر)ج۳،شمارہ۱۲،ص۱۹۹، دسمبر ۱۹۹۲ء

Syed Kafil Bukhari (Editor), Monthly Naqib e khatam e Nabuwwat (Amir Shariat Number) Volume 1, Isssue: 3, Page: 199. Dec 1992

[18] مجاہد الحسینی، مولانا، خطبات امیر شریعت، ص،۸۸۔۸۹

Mujāhid Al-Husseini, Maulanā, Khutbat e Amir Shariat, P: 88-89

[19] جانباز مرزا، حیات امیر شریعت، ص۱۵۵ Janbāz Mirzā, Hayāt Amir Shariat,P: 155

[20] نذیر مجیدی، شاہ جی، ص ۲۰۷

Nazir Majidī, Shah Ji, P:207

[21] شورش کاشمیری، سید عطاءاللہ شاہ بخاری، ص۱۹۵

Shūrash Kāshmīrī, Syed Ataullah Shah Bukharī,P:195

[22] M.Rafiq Akhtar,The Greater Orator, P 39

[23] جانباز مرزا، حیات امیر شریعت، ص۵۷۵ Janbāz Mirza, Hayāt Amir Shariat,P: 155

[24] نذیر مجیدی، شاہ جی،ص ۱۱

Nazir Majidi, Shah Ji, P:11

[25] مرجع سابق Ibid,

[26] شورش کاشمیری، سید عطاءاللہ شاہ بخاری، ص ۱۹۸

Shorash Kāshmiri, Syed Ataullah Shah Bukhari,P:198

27 جانباز مرزا، حیات امیر شریعت، ص۴۵

Janbaz Mirzā, Hayat Amir Shariat,P: 45

28 کابلی ،خان غازی،حیات بخاری، ص ۴۴۔

Kābli, Khan Ghāzi, Hayāt e Bukhari, P:44

29 نذیر مجیدی، شاہ جی، ص ۵۳

Nazir Majidi, Shah Ji, P:11

30 جانباز مرزا، حیات امیر شریعت، ص۸۶

Janbāz Mirza, Hayat Amir Shariat,P: 155

31 مجاہد الحسینی، مولانا، خطبات امیر شریعت، ص۷۳۔۷۴

Mujāhid Al-Husseini, Maulana, Khutbat e Amir Shariat, P: 73-74

32 نذیر مجیدی، شاہ جی، ص۱۲۱۔۱۲۲

Nazir Majidi, Shah Ji, P:122-121

33 جانباز مرزا، حیات امیر شریعت، ص۱۸۳۔۱۸۴

Janbāz Mirza, Hayat Amir Shariat,P: 184-183

34 سید کفیل بخاری (مرتب)، پاکستان میں کیا ہو گا؟، بخاری اکیڈمی ملتان، ۲۰۱۳ء ص۹۴

Syed Kafīl Bukhari (Editor), Pakistan me kia ho ga? Bukhari Academy Multan, 2013, P:94

35 بخاری، ابوذر، روداد اجتماع سہارن پور، ۱۹۶۸ء، ص۵

Bukhāri, Abu Dharr, Rūdad Ijtema Saharanpur, 1968,P:5

36 جانباز مرزا، حیات امیر شریعت، ص۲۳۸۔۲۳۹

Janbāz Mirza, Hayat Amīr e Shariat,P: 239

37 مرجع سابق،ص۲۲۸۔۲۲۹ — Ibid,P:228-229

38 مرجع سابق،ص ۲۸۷ — Ibid, P : 287

39 جانباز مرزا، کاروان احرار، احرار فاونڈیشن، ملتان، ج۷، ص ۱۳۲

Janbāz Mirzā, Karavan Ahrar, Ahrar Foundation, Multan, Vol. 1, p: 132

40 شورش کاشمیری ،سید عطاءاللہ شاہ بخاری، ص ۲۶۷

Shūrash Kāshmīri, Syed Ataullah Shah Bukhari,P:267

41 روزنامہ آزاد، لاہور، ۱۴ نومبر ۱۹۴۹ء

Roznāma Azad, Lahore, 14 November 1949

42 سید کفیل بخاری (مرتب)، پاکستان میں کیا ہو گا؟ ،ص۹۴

Syed Kafīl Bukhāri (Editor), Pakistan me kia ho ga? P:94